ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب شعبہ علوم اسلامیہ
اسلامیہ یونیورسٹی - بہاولپور

قریش کی حربی صلاحیت

قریش ایک نامور عربی النسل قبیلہ تھا۔ جو مکہ میں آباد تھا۔ عربوں کے دیگر قبائل میں اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ جب تک یہ آنحضرت ؐ کا مخالف رہا آپ ؐ کو جزیرہ نمائے عرب میں نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حضور سرور کائنات چونکہ خود بھی قریشی النسل تھے اس لئے عرب سیاست میں اپنے قبیلے کے مقام و مرتبہ اور سیاسی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ؐ نے اپنی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی میں ۲۱ سال ان پر صرف کر دیے اور جب آپ بالآخر انہیں اپنا حلقہ بگوش بنا لینے میں کامیاب ہو گئے تو نتیجہ عین آپ کی توقع کے مطابق برآمد ہوا یعنی سارا عرب پکے ہوئے پھل کی مانند آپ کی جھولی میں آ گرا[۱]

عربوں میں قریش کے اثر و رسوخ اور ان کی سیاسی اہمیت کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین ان کی فوجی قوت، عددی برتری اور فنونِ جنگ میں ان کی مہارت ہے۔ انہیں ایک بڑا قبیلہ[۲] اور ان کے ہر فرد کو پیدائشی سپاہی اور میدانِ جنگ کا ہیرو باور کرایا جاتا ہے زیرِ نظر مقالے کا مقصد اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ قریش کی جس نسل سے آنحضرت ؐ کو واسطہ پڑا ان کی حربی قوت و صلاحیت کیا تھی۔

قریش مکہ میں قصی بن کلاب کے زیرِ قیادت آباد ہوئے جس نے بنو خزاعہ کو مکہ سے بے دخل کر کے وہاں اپنی سیادت قائم کر لی تھی[۳]

مکہ میں آباد ہونے سے قبل دیگر عرب قبائل کی طرح قریش بھی صحرائی بدوؤں کا ایک قبیلہ تھا اور انہی کی طرح جفاکشی اور جنگ جوئی کی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھا۔ شہر میں آباد ہو جانے کے باعث یہ خصوصیات رفتہ

---

[۱] قرآن مجید میں اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ ہوا ہے۔ "اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔

[۲] لفظ قریش کے ایک معنی سمندر کی ایک جڑی بوٹی بیان کئے جاتے ہیں جو دوسری جڑی بوٹیوں کو کھا جاتی ہے۔ "انما سمیت بدابۃ تکون فی البحر تاکل دواب البحر تدعی القریش" جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام طبع ثالثہ بیروت ۱۹۸۰ء جلد ۴ ص ۲۳

[۳] ابن ہشام، سیرۃ النبویہ علی حاشیۃ الروض الانف للسہیلی۔ مکتبہ فاروقیہ ملتان ۱۹۷۷ جلد ۱ ص ۸۰-۸۷ ابن الاثیر، تاریخ الکامل طبع منیریہ مصر ج ۲ ص ۱۲

رفتہ رفتہ زنگ آلود ہوتی گئیں اور قریش معاشی مسائل میں گھر گئے۔ کیونکہ مکہ کی زمین اور آب و ہوا ناسازگار تھی۔ قریش نے اس مشکل صورت حال سے نمٹنے کے لئے تجارت کو اپنانا چاہا۔ لیکن تجارت دنگا فساد اور جنگ کی کیفیت میں پروان نہیں چڑھ سکتی۔ اس کے لئے امن وامان کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلے اندرون مکہ امن قائم کیا۔ اور اپنے مختلف خاندانوں کو باہمی جھگڑوں سے بچانے کے لئے ایک نیم شہری ریاست قائم کر کے مختلف امور، مختلف خاندانوں کے سپرد کر دیئے[1] تاکہ تنازعات پیدا نہ ہوں۔ اور شہر کا امن وامان قائم رہے۔

مکہ کے حرم ہونے کے باعث ان کی یہ کوشش بڑی حد تک بارآور ہوگئی۔ اور باہر سے آنے والوں کو بھی یہاں تحفظ کا احساس ہونے لگا جس کے باعث مکہ کے گرد و نواح میں منڈیاں اور بازار قائم ہو گئے۔ جہاں ہر فرد آزادانہ خرید و فروخت کر سکتا تھا[2]۔

جب یہ سلسلہ چل نکلا تو ان منڈیوں میں بیرونی ممالک سے مال لاکر فروخت کرنے اور اپنا مال دیگر ممالک میں لے جا کر بیچنے کا رجحان پیدا ہوگیا۔ قریش نے یہ معاملہ بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور شام، یمن اور حبشہ وغیرہ ممالک میں ان کے تجارتی کاروان چلنے لگے۔ چونکہ ان کاروانوں کی بحفاظت آمد و رفت کے لئے تجارتی راستوں پر امن کا ہونا ضروری تھا اس لئے قریش نے اپنے تجارتی راستوں پر آباد قبائل عرب کو بھی اس نظام سے منسلک کر لیا ان سے معاہدے کئے۔ کہ جب قافلہ تجارت کسی بیرونی ملک جائے گا تو راستے کے قبائل اپنی جو چیز منڈیوں میں فروخت کے لئے بھیجنا چاہیں وہ قریشی کاروان کے حوالے کر دیں گے۔ اہل قافلہ اسے بیرون ملک بیچ کر اس کی قیمت (یا اس کے عوض کوئی مطلوبہ چیز خرید کر) واپسی کے سفر میں اس قبیلے کے سپرد کر دیں گے اس طرح قبائل عرب سفر کی صعوبتیں برداشت کئے بغیر اپنی اجناس بیرونی منڈیوں میں فروخت کرنے اور وہاں سے مطلوبہ اشیا گھر بیٹھے بٹھائے حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس سہولت کے عوض تجارتی راستوں پر آباد قبائل کی یہ ذمہ داری قرار دے دی گئی کہ وہ قافلوں کی (اپنی حدود کے اندر) حفاظت کریں۔ ان معاہدوں کو ایلاف کا نام دیا گیا[3]۔ اس انتظام کے ذریعے اہل مکہ رفتہ رفتہ بڑے تاجر بن گئے۔ ہزاروں اونٹوں پر مشتمل ان کے کارواں رواں دواں رہنے لگے۔ اور وہی عرب قبائل جن کا پیشہ ہی لوٹ مار تھا وہ ان کاروانوں کے محافظ بن گئے۔

---

[1] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۳-۱۴ [2] یامنون علی دماہم و اموالہم فیہا۔ ان اسواق میں تمام لوگوں کے جان و مال محفوظ تھے۔ الیعقوبی، تاریخ نجف ۱۳۵۸ھ جلد ۱ ص ۲۲۶ [3] الثعالبی، ذیل الآمالی والنوادر، بولاق، ۱۳۲۴ھ ص ۵-۲۰۴ محمد بن حبیب کتاب المنمق حیدرآباد دکن ۱۳۸۴ ص ۶-۳۲۔ الکلاعی، کتاب الاکتفاء، تعلیقات ہنری ماسہ، الجیریا ۱۹۳۱ ص ۹-۲۰۸ نیز جواد، تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۴ ص ۲۰

اس نظام کی بدولت اہل مکہ کے لئے پورے ملک میں امن قائم ہوگیا۔ تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی سرمائے دن بدن بڑھنے لگے۔ تعیشات کا بول بالا ہوگیا۔ شمشیر و سناں کے کھیل قریش کے لئے قصہ پارینہ ہوگئے بزم آرائیاں ان کا مشغلہ بن گئیں۔ اور ایسی مجالس میں اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کا فخریہ ذکر ان کی قوت و شوکت کا نشان بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ کو مسمار کرنے کے مذموم ارادے کے تحت مکہ پر حملہ کیا تو قریش اپنے شہر کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے لڑنے کی بجائے پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے[1] دولت مند قریشیوں نے یقیناً یہی سوچا ہوگا کہ لڑنے کی صورت میں خواہ فتح بھی ہو جائے لیکن جانی و مالی نقصان تو ہوگا جسے برداشت کرنا سرمایہ دار کے لئے سب سے کٹھن امر ہے اور نہ لڑنے کی صورت میں صرف یہی ہوگا کہ ایک گھر مسمار ہو جائے گا۔ جسے ابرہہ کی واپسی کے بعد چندہ اکٹھا کرکے دوبارہ بنا لینا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ دوسری صورت ان سرمایہ داروں کے لئے فائدہ مند تھی۔ اس لئے وہ شہر چھوڑ کر اپنی پہاڑی عافیت کدوں میں چلے گئے۔

ابرہہ کے حملے نے ظاہر کر دیا کہ قریش کی حربی صلاحیتوں کو تجارت (اور اس کے سودی کاروبار) نے مکمل طور پر زنگ آلود کر دیا ہے۔ قریش کو شائد اس سے پہلے ہی اپنی اس خامی کا احساس ہونا شروع ہوگیا تھا۔ لیکن وہ مال و دولت کی حرص میں اس قدر آگے نکل چکے تھے کہ اپنی آبادی کے ایک حصے کو تجارتی مشاغل سے ہٹا کر عسکری خدمات کے لئے وقف کرنے کی بجائے انہوں نے بعض غیر قریشی قبائل کو مکہ کے ارد گرد آباد کر لیا۔ اور ان کی معاش کی ذمہ داری کے عوض ناگہانی ضرورتوں کے وقت اپنے دفاع کا فریضہ ان کے سپرد کر دیا۔ ان قبائل کو احابیش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[2] گو یاد کرائے کی یا پیشہ ور غیر قریشی فوج قائم کرکے خود مستقلاً شمشیر و سناں سے دستبردار ہو گئے۔

---

[1] ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۵ نیز ملاحظہ فرمایئے ابن الاثیر جلد ۱ ص ۲۶۱ پر عبدالمطلب کا اہل مکہ کے نام یہ فرمان "امرہم بالخروج معہ من مکہ والتحرز فی رؤوس الجبال خوفاً من معرۃ الجیش"۔
ابرہہ کے حملے اور قریش کے طرز عمل کے تنقیدی جائزے کے لئے دیکھئے

[2] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۱ کے مطابق یہ انتظام عبد مناف نے کیا تھا۔ "وہو الذی عقد الحلف بین قریش والاحابیش"
اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے منٹگمری واٹ۔ محمد ایٹ مکہ آکسفورڈ ۱۹۵۳ ص ۱۵۴-۷ اور جواد علی "تاریخ قبل العرب قبل الاسلام جلد ۴ ص ۳۰ تا ۳۷

واقعہ فیل کے بعد جنگ بدر تک قریش بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی تجارتی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ۵۵ سال کے اس طویل عرصے میں انہیں صرف ایک بار اپنے زنگ آلود ہتھیار استعمال کرنے کا موقع ملا۔ جسے حرب فجار کہتے ہیں یہ جنگ اس وقت وقوع پذیر ہوئی جب حضور سرور کونین کی عمر مبارک ۱۴، ۱۵ یا ۲۰ سال تھی۔[۱] اس جنگ میں فطرتی طور پر قریش کی کارکردگی اچھی نہ رہی بلکہ آغاز جنگ میں تو انہیں شکست بھی ہو گئی تھی اور یہ یقیناً احابیش کی مداخلت سے ہی جنگ کا پانسہ پلٹا ہوگا۔

قصی بن کلاب کی موت کے کم از کم ایک صدی بعد مذکورہ بالا پہلی اور آخری جنگ میں قریش کی جس نسل نے کسی نہ کسی حد تک جنگ کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا جنگ بدر تک (جو اس واقعہ کے کم از کم ۳۵ سال بعد واقع ہوئی۔) وہ نسل ختم ہو چکی تھی۔ اس جنگ کے ہیرو اب مر چکے تھے۔ اس وقت کے جوان اب بوڑھے ہو چکے تھے۔ بچے اب کہولت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اور ایک نسل جوان ہو چکی تھی جو پیدا ہی اس جنگ کے بعد ہوئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ؐ کے مدمقابل اسی نسل نو پر قریش کی قوت کا دارومدار تھا۔ یعنی ان لوگوں پر جنہوں نے بذات خود کسی جنگ میں حصہ لینا تو درکنار کبھی اپنی آنکھوں سے جنگ کا مشاہدہ بھی نہ کیا تھا۔

جنگ بدر وہ پہلا معرکہ ہے جس میں قریش پہلی مرتبہ میدان جنگ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے۔ اور اس جنگ نے قریش کی عسکری صلاحیت اور فوجی قوت کے ڈھول کا پول کھول دیا اور یہ ظاہر کر دیا کہ عرب کے دیگر قبائل بالخصوص انصار مدینہ درج بالا خوبیوں میں ان سے کہیں آگے تھے۔ آئیے ذرا جنگ بدر کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔

۲ ہجری میں لڑی جانے والی جنگ بدر کی بڑی وجہ وہ قافلہ تجارت تھا جس کے تعاقب میں آپ مدینہ سے نکلے تھے۔ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں آپ کی پہنچ سے دور۔ اور اسے بچانے کی خاطر مکہ سے آئی ہوئی قریشی فوج آپ کے نزدیک تر ہوتی گئی۔ جب حضرت رسول کریم ؐ کو یہ محسوس ہوگیا کہ اب جنگ ناگزیر ہے۔ تو آپ نے صورت حال کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر اور مقداد وغیرہ مہاجرین نے آپ کو پورے تعاون کا یقین دلایا لیکن آنحضرت مطمئن نہ ہوئے اور پھر فرمایا

اشیروا علیّ ایھا الناس وانما یرید الانصار وذالک انھم عدد الناس وانھم حین بایعوہ بالعقبہ۔ قالوا یا رسول اللہ انا براء من ذمامک حتیٰ تصل الی دودنا فاذا وصلت الینا انت فی ذمتنا نمنعک مما نمنع منہ ابناءنا ونساءنا فکان رسول اللہ یتخوف ان لا تکون

---

[۱] ابن اسحاق کے مطابق آپ کی عمر مبارک اس وقت ۲۰ سال تھی۔ دیکھئے ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۲۱ (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا امن توی علیها نصرة الا من دهمه بالمدینة من عدوه وان لیس علیهم ان یسیرهم الی
عدو من بلادهم [1]

اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ اور آپ کا روئے سخن انصار کی جانب تھا کیونکہ انہوں نے جب عقبہ میں بیعت کی تھی کہا تھا کہ ہم اس وقت تک آپ کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہیں جب تک آپ مدینہ نہیں پہنچ جاتے ہاں جب آپ وہاں چلے آئیں گے تو ہم اسی طرح آپ کے محافظ ہوں گے جس طرح اپنے گھر والوں کے۔ رسول اللہ کو خدشہ ہے کہ اس شرط کی بنا پر انصار کہیں یہ نہ سمجھتے ہوں کہ صرف مدینہ پر حملہ کی صورت میں ہی وہ رسول کا ساتھ دینے کے پابند ہیں اور اگر رسول اللہ خود مدینہ سے نکل کر کسی دشمن پر حملہ آور ہوں تو انصار پر آپ کی مدد ضروری نہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے انصار سے اس لئے مشورہ طلب کیا تھا

وکان یظن ان الانصار لا تنصره الا فی الدار وذالک انهم شرطوا له ان یمنعوه مما
یمنعون منه انفسهم واولادهم [2]

کہ آپ کا خیال تھا کہ انصار آپ کی مدد صرف گھر کے اندر کریں گے اور خیال کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے آپ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کا اسی طرح دفاع کریں گے جس طرح اپنا اور اپنی اولاد کا دفاع کرتے ہیں۔

ان روایات میں جس خدشے کا اظہار کیا گیا ہے وہ درج ذیل وجوہات کے باعث بے بنیاد ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ کی کارروائی میں انصار کی جانب سے اس طرح کی کسی شرط کا ذکر نہیں ملتا۔ کہ ان کی ذمہ داری اس وقت شروع ہو گی جب آپ مدینہ پہنچ جائیں گے۔

بقیہ گذشتہ صفحہ:— ابن قتیبہ کا خیال بھی یہی ہے۔ دیکھئے المعارف ص ۷۵۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں وبین عام الفیل وعام الفجار عشرون سنة کہ عام الفیل اور عام الفجار کے درمیان ۲۰ سال کا عرصہ ہے۔ چونکہ عام الفیل آنحضرتؐ کا سال ولادت ہے اس لحاظ سے حرب فجار میں آپ کی عمر مبارک ۲۰ سال بنتی ہے۔ یہی رائے مسعودی کی ہے — دیکھئے مروج الذہب مطبع سعادہ مصر ۱۹۴۸ء جلد ۲ ص ۵-۲۷۴ ہے۔ تاہم بعض دوسری روایات کے مطابق آپؐ کی عمر مبارک اس وقت ۱۴ یا ۱۵ سال تھی۔ دیکھئے ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۲۰۔ یعقوبی نے آپ کی عمر مبارک ۱۷ سال بیان کی ہے۔ دیکھئے تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۱۔

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۶۴۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ مطبع سعادہ مصر ۱۹۳۲ء، جلد ۳ ص ۲۶۲۔ طبری تاریخ الرسل والملوک طبع حسینیہ مصر۔ طبع اول جلد ۲ ص ۲۷۴۔ [2] محمد بن عمر الواقدی، کتاب المغازی۔ تعلیقات مارسڈن جونز آکسفورڈ ۱۹۶۶ء۔ جلد ۱ ص ۴۸ [3] دیکھئے ابن ہشام ج ۱ ص ۸۱-۲۷۵۔ طبری جلد ۲ ص ۴۰-۳۴۸

دوسری روایت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا کہ دفاع کا معاہدہ صرف مدینہ تک محدود ہے درست نہیں۔ کیونکہ اگر کسی انصاری کے بیوی بچے مدینہ سے باہر کسی ضرورت سے گئے ہوں تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ چونکہ وہ مدینہ سے باہر ہیں اس لیے ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ بلکہ وہ اس کے بیوی بچے ہونے کی حیثیت سے جہاں کہیں بھی ہوں ان کا دفاع اس کی ذمہ داری ہوگی۔

حضور سرورِ کونین جیسا صاحب فراست اور ذہین انسان ایسے بے بنیاد خدشوں میں مبتلا نہیں ہو سکتا تھا یہ محض ہمارے مورخین کی خیال آرائیاں ہیں۔ آنحضرت صلعم انصار کے قیدی نہیں تھے کہ مدینہ میں محدود ہو کر رہ جائیں۔ ان کا مشن عالمگیر تھا انہیں کہیں بھی جانا پڑتا تو یہ خدشہ ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا کہ انصار ساتھ نہیں دیں گے اس لیے ہمارا موقف یہ ہے کہ عقبہ میں یا تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اگر ہوئی ہے تو وہ یوں ہو گی۔ کہ انصار نے وعدہ کیا ہو گا کہ آپ ایک دفعہ مکہ سے بچ بچا کر ہمارے ہاں پہنچ جائیں اس کے بعد ہم آپ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور آپ کی خاطر سرخ و سفید سے ہر جگہ لڑیں گے۔

اگر بات یوں نہ ہو اور ابن ہشام وغیرہ کی بیان کردہ روایات درست ہوں تو پھر عبداللہ بن ابی کا جنگ احد میں مسلمانوں کے لشکر سے نکل جانا کوئی جرم نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ اگر انصار کی جانب سے مدد اور دفاع کا وعدہ عقبہ میں صرف اندرون مدینہ تک محدود کر دیا گیا تھا تو ابن ابی نے اس کی مکمل پاسداری کی تھی۔ جنگ لڑنے کے بارے میں بہت عمدہ اور معقول مشورہ دیا تھا۔ کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کی جائے۔ جب اس کا مشورہ تسلیم نہ کیا گیا تو وہ اس وقت تک مسلمانوں کے لشکر میں رہا جب تک آپ مدینہ کی حدود سے نکل نہ گئے[1]

اس مرحلہ پر اس نے یہی سمجھا ہو گا کہ عقبہ میں اہل مدینہ نے آپ کے دفاع کی جو ذمہ داری اٹھائی تھی وہ مدینہ کی حدود ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اور وہ واپس چلا گیا۔ اگر عقبہ میں واقعتہً کوئی ایسی شرط طے ہوئی تھی تو بتایئے کہ ابن ابی نے کونسی بات خلاف معاہدہ کی ہے جس پر اسے الزام دیا جا سکے۔

اندریں حالات میں سمجھتا ہوں کہ صورت واقعہ وہ نہیں ہے۔ جو ہمارے مورخین بیان کرتے ہیں بلکہ جب آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا اور مہاجرین نے تعاون کا یقین دلایا تو آپ اس لئے مطمئن نہیں ہوئے کہ مہاجرین جو زیادہ تر قریشی تھے جنگ کے ماہر تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ابو بکر کے جذبات ایک طرف لیکن اس نے کونسی جنگ میں حصہ لیا ہے جو اس کی صلاحیتوں پر اعتماد کر لیا جائے۔ آپ جانتے تھے کہ حضرت عمر بھی کبھی میدانِ جنگ میں نہیں اترے۔ اور حضرت علی نے تو کبھی جنگ ہوتے بھی نہ دیکھی تھی۔ ان بزرگوں کے نئے جذبات بجا لیکن

---

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۸۔ واقدی جلد ۱ ص ۲۱۹۔ ابن سعد۔ طبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت جلد ۲ ص ۳۹

اس وقت ضرورت تھی جو دو گرم چشیدہ اور جنگ کی بھٹی سے گذرے ہوئے انصار کے تعاون کی جن ہوں نے آخری بار صرف چار سال قبل لڑی تھی (بعاث) اور حاضرین میں سے اکثر اس جنگ میں شرکت کر چکے تھے اور بعاث سے قبل بھی وہ پے در پے جنگوں میں شرکت کرنے کے باعث فوجی نقطہ نظر سے وہ تمام اوصاف اپنے اندر رکھتے تھے جن کی آنحضرت کو اس وقت شدید ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے پسند فرمایا کہ انصار بھی کچھ بولیں اور جب ان کے اندر سے سعد بن معاذ نے پورے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا۔ انا لصُبر عند الحرب[1]

آپ کی طبیعت بشاش ہوگئی اور آپ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

بدر میں ادھر اُدھر کئی چشمے تھے۔ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے قریبی چشمے پر کیمپ لگا کر دشمن کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اس موقع پر انصار کا جنگی تجربہ کام آیا۔ ایک انصاری نے آپ سے عرض کیا۔ کہ اس جگہ پر کیمپ کا قیام بذریعہ وحی ہوا ہے یا آپ نے اپنی مرضی سے کیا ہے۔

آپ نے فرمایا بل هو الرأی والحرب والمکیدہ ۔ قال یا رسول الله فان هذا لیس لک بمنزل فانهض بالناس حتی نأتی ادنی ماء سواء من القوم منزله ثم نغور ما وراءه من القلب ثم نبنی علیه حوضاً و نملأه ماء فنشرب ماء ولا یشربون ثم نقاتلهم ففعل رسول الله ذالک[2]

کہ جائے کیمپ کا انتخاب آپ نے جنگی صورتِ حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے کیا ہے۔ اس پر انصاری نے عرض کیا کہ یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ آگے بڑھیئے اور دشمن کی جانب آخری چشمے پر کیمپ لگائیے اور پیچھے کے تمام چشمے بند کرا دیجئے۔ اپنے چشمے پر حوض بنا کر پانی جمع فرمائیے۔ دشمن آئے گا تو اسے پینے کے لئے پانی نہیں ملے گا۔

---

[1] واقدی جلد ا ص ۴۸ - ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۳۔ ص ۲۶۳ - طبری جلد ۲ ص ۲۷۴ (انا بصرنا عند الحرب) انصار جنگ آزمودہ تھے۔ ان کی جنگوں کی مختصر فہرست درج ذیل ہے:

یوم الصفینۃ - یوم السرارہ - یوم وفاق بنی خطمۃ - یوم حاطب بن قیس - یوم حضر الکتائب - یوم الظم بنی سالم - یوم ابزدہ -

یوم البقیع - یوم بعاث - یوم مضرس ومعبس - یوم الدار - یوم بعاث الآخر - یوم فجار الانصار - یعقوبی جلد ۲ - ص ۲۷ -

[2] ابن اثیر، کامل، جلد ۲ ص ۸۵ - نیز دیکھئے ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۲ - واقدی ج ا ص ۵۲ - ابن سعد جلد ۲ - ص ۵ ۸ اور ابن کثیر، البدایہ ج ۳ ص ۲۶۷ -

مبارزت کے لئے عتبہ، شیبہ اور ولید آئے تھے۔ ان میں سے ولید کی عمر ۵ سال تھی اور عتبہ جو اس کا باپ تھا ظاہر ہے کہ ... کے لگ بھگ ہوگا۔ اور شیبہ عتبہ سے بھی ۳ سال بڑا تھا۔ دیکھئے بلاذری۔ انساب الاشراف۔ تعلیقات حمید اللہ بیروت ج ا - ص ۲ ۱۵

جب کہ ہم پانی سے تروتازہ ہوں گے۔ جناب مکرمؐ نے اس رائے کو پسند فرما کر اس کے مطابق عمل کیا۔

انصار کی اس ایک جنگی چال نے جنگ کا فیصلہ قبل از وقت کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ دشمن تعداد میں زیادہ ہے۔ خشک راشن کی اس کے کوئی کمی نہیں۔ ہتھیار اور سواریاں بے شمار ہیں۔ لیکن صحرا میں پانی کے بغیر چند گھنٹے گذارنا ان کے لئے مشکل ہو جائے گا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جونہی دشمن وارد ہوا صحرا کی تپش نے ان کے حلق میں کانٹے پیوست کر دئے۔ وہ حواس باختہ ہو کر پانی کے لئے مارے مارے پھرنے لگے۔ ایسے میں اگر ابوجہل جیسے فرعون کو ایک بچہ نیچے گرا دے تو یہ انصار کی جنگی چال کے ایک ادنیٰ سے کرشمے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قریش اگر فنِ جنگ سے واقف ہوتے تو وہ میدانِ بدر میں [illegible] بلکہ صورت حال دیکھ کر فوراً ادھر ادھر ہٹ جاتے۔ دس پندرہ میل کے علاقے میں کسی اور جگہ کسی کنوئیں پر کیمپ لگا دیتے۔ (چونکہ یہ علاقہ ان کے تجارتی راستے میں تھا اس لئے وہ خوب جانتے تھے کہ پانی کہاں کہاں دستیاب ہے۔ خشک راشن اور گوشت وغیرہ کی ان کے پاس کمی نہ تھی۔ بوقت ضرورت مقامی قبائل سے (جو نظام تجارت میں ان کے ساتھی تھے) راشن ادھار بھی لیا جا سکتا تھا۔

دوسری جانب حضرت رسول اکرمؐ کے پاس راشن وغیرہ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ علاقے کے قبائل سے دوستانہ تعلقات بھی نہیں تھے۔ اس لئے وہ زیادہ عرصہ بدر میں قیام نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں مجبوراً یا تو مدینے واپس جانا پڑتا جو مسلمانوں کی شکست کے مترادف تھا۔ یا پھر آگے بڑھ کر قریش کے منتخب کردہ میدان میں ان سے لڑنا پڑتا۔ اور دشمن کے منتخب شدہ میدان میں لڑنا اکثر و بیشتر نقصان دہ ہوتا ہے۔ (جیسا کہ احد میں ہوا جہاں دشمن پہلے پہنچ کر مورچہ بند ہو گیا تھا اور مسلمانوں کو مجبوراً ایسی جگہ صف آرائی کرنا پڑی تھی جو جنگی نقطہ نظر سے سخت نقصان دہ تھی) میدانِ جنگ میں دونوں لشکروں کی کارکردگی سے فنِ حرب میں انصار کی واضح برتری اور قریش کی کم مائیگی کا اظہار ہوتا ہے۔ قریش کے بوڑھے (مثلاً عتبہ شیبہ وغیرہ) آگے تھے (جو لڑنا تو درکنار بوقت ضرورت بھاگ بھی نہ سکتے تھے اور اسی کے باعث وہ گاجر مولی کی طرح کٹ گئے) اور جوان پیچھے۔ جرنیل آگے تھے اور سپاہی پیچھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو سالار لشکر تھا خود مبارزت کے لئے آگے آیا۔ اور کیفیت یہ تھی کہ میدان جنگ کا لباس بھی اس کے جسم پر پورا نہیں تھا۔

کہا جاتا ہے کہ میدانِ جنگ میں اس نے خود طلب کیا۔ کوئی خود سر پر پورا نہ آیا تو کپڑا باندھ کر مبارزت کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ دراصل ان لوگوں نے کبھی جنگ لڑی ہی نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بدر میں شراب کی محفلیں برپا کریں گے۔ آباؤ اجداد کے قصیدے پڑھیں گے اور ان کی بنا پر فتح و شکست کا فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن •بدر میں انصار سے واسطہ پڑ گیا (جن کے لئے جنگ روز و شب کا معمول تھا) تو سراسیمگی کے عالم میں عقل و خرد

کے منافی اور جنگی اصولوں کے خلاف راستے پر چل پڑے۔ اور قعرِ ہلاکت میں جا گرے۔ اس کے بالمقابل مسلم کیمپ جو عملاً انصار کا کیمپ تھا (کیونکہ مسلم فوج میں مہاجرین کی تعداد ۷۰ سے ۸۰ بتائی جاتی ہے۔ اور باقی تمام انصار تھے) ہر کام فنِ حرب اور جنگی اصولوں کے مطابق ہو رہا تھا۔ سالار لشکر کے لئے انصار کی تجویز پر میدان سے ہٹ کر اونچی جگہ عریش بنا دیا گیا تاکہ آپ وہاں تشریف فرما رہیں۔

واقدی نے حضرت سعد بن معاذ کی اس تجویز کا بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

نبنی لک عریشاً فتکون فیہ و نعدّ لک رواحلک ثم نلقی عدونا فان اعزّنا اللّٰہ واظہرنا علی عدونا کان ذالک ما احببنا۔ وان تکن الاخریٰ جلست علی رواحلک فلقیت من ورائنا[1]

کہ ہم آپ کے لئے عریش بنائیں گے آپ اس میں تشریف رکھیں۔ پھر ہم دشمن سے لڑیں گے۔ اگر فتح ہو گئی تو دل مانشاد لیکن اگر معاملہ الٹ گیا تو آپ عریش کے دروازے پر موجود تیار سواری پر سوار ہو کر مدینہ میں ہمارے پسماندگان سے جا ملیں۔

اور آپ نے جنگ اس طرح لڑی کہ سارا عرصہ ابوبکر کی معیت میں عریش میں متمکن ہو کر جنگ ملاحظہ کرتے رہے۔ اور بوقتِ ضرورت ہدایات جاری فرماتے رہے۔ سعد بن معاذ چند دیگر انصاریوں کے ہمراہ عریش کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے[2] یہ سارا انتظام اس لئے کیا گیا کہ سالارِ لشکر بعض اوقات پوری فوج سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اس کو نقصان پہنچنے کی صورت میں ساری فوج کے قدم اکھڑ جاتے ہیں اور شکست ہو جاتی ہے (جیسا کہ عتبہ کی موت کی صورت میں قریش کے ساتھ ہوا۔

مبارزت کے لئے قریش کا سالار لشکر آیا تھا لیکن جواب میں آنحضرتؐ تو درکنار ابوبکر یا انصار میں سعد بن معاذ یا اس کے پلے کا کوئی اور فرد بھی میدان میں نہیں گیا۔ بات یہ نہیں کہ یہ لوگ بزدل تھے بلکہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ محفوظ رہیں اور کم نامور لوگوں کو میدان میں اتارا جائے۔ اگر وہ جیت جائیں تو فائدہ بہت ہو گا۔ کہ دیکھو ان کے چھوٹے پہلوانوں نے ہی کمال کر دیا ہے تو بڑوں کا کیا حال ہو گا۔ اور اگر چھوٹے پہلوان ہار جائیں تو درجہ بدرجہ بڑے پہلوانوں کو میدان میں اتارا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر پہلی ہی مرتبہ سالار لشکر یا اس جیسا نامور پہلوان میدان میں جا کر مارا جائے تو پوری فوج نفسیاتی دباؤ میں آ جائے گی۔ اندریں حالات انصار نے اپنے ۳ سپاہیوں معوذ۔ معاذ اور عوف بن حارث کو عتبہ وغیرہ کے مقابلے میں بھیجا۔ عتبہ وغیرہ نے پوچھا من انتم۔ فقالوا رھط من انصار۔ قالوا مالنا بکم من حاجۃ۔ ثم نادیٰ منادیھم یا محمد اخرج الینا اکفاءنا من قومنا[3]

---

[1] واقدی جلد ا ص ۴۹ نیز دیکھئے ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۔ ابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۵ اور ابن کثیر البدایۃ جلد ۳ ص ۲۶۸ [2] واقدی جلد ا ص ۲۶۰ [3] ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۷۔

تم کون ہو۔ جواب ملا، ہم انصاری ہیں۔ عتبہ وغیرہ نے کہا ہمیں تم سے کوئی غرض نہیں۔ پھر بآواز بلند پکارا۔ کہ اے محمدؐ ہمارے مقابلے میں ہماری قوم کے (قریشی) ہم پلہ افراد کو بھیجو۔

ایک دوسری روایت کے مطابق عتبہ وغیرہ نے انصار کو کہا:-

اکفاء کرام وما لنا بکم من حاجة لیخرج اکفاءنا من قومنا[1]

کہ آپ بھی معزز لوگ ہیں لیکن ہمیں آپ سے کوئی غرض نہیں۔ ہمارے مقابلے میں ہماری قوم کے (قریشی) ہم قوم آئیں۔

اس پر انصاری واپس آگئے۔ اور علی، حمزہ اور ابو عبیدہ کو مقابلے کے لئے بھیجا۔

انصاریوں کی واپسی کی ایک اور وجہ ابن سعد نے بیان کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب مبارزت کے جواب میں انصار کے جوان نکلے تو

فکرہ رسول اللہ ان یکون اول قتال لقی فیہ المسلمون المشرکین فی الانصار واحب ان تکون الشوکة ببنی عمہ وقومہ۔ فامرھم فرجعوا الی مصافھم وقال لھم خیراً)[2]

کہ انصار آگے بڑھے تو رسول اکرم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا۔ وہ چاہتے تھے کہ کفر و اسلام کے اس اولین معرکے میں شوکت حاصل کرنے کا اعزاز ان کے عزیزوں اور ہم قوم افراد کے حصے میں آئے۔ اس لئے آپ نے انصاریوں کے اقدام کی تعریف کی اور انہیں واپس بلالیا۔

ابن سعد کی اس بات سے اتفاق کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ حضور نبی اکرم سے ایسی بات منسوب کرنا جس سے اقربا پروری اور انصار کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھنے کا شائبہ ہوتا ہو درست نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے سوچا ہو کہ بڑے بڑے پہلوانوں کی موجودگی اور سرپرستی میں بعض اوقات نو آموز اور کم تجربہ کار پہلوان بھی کارنامے دکھا جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی مواقع ان کی حوصلہ افزائی کے ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے مہاجرین کے ۳۔ افراد کو آگے کر دیا۔

یاد رہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ جو قریشی مہاجرین تھے ان کی فوجی تربیت کرنے اور ان کی عسکری صلاحیتوں کو نکھارنے کا پروگرام آپ نے اپنی مدنی زندگی کے آغاز ہی سے شروع کر دیا تھا۔ بدر سے پہلے ۸ اماہ میں آپ نے جو، چھوٹی بڑی مہمات ادھر ادھر روانہ کی تھیں وہ اسی سلسلے کی کڑی تھیں تاکہ مہاجرین صحرائی علاقوں

---

[1] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۰۔ ابن کثیر، البدایہ جلد ۳۔ ص ۲۷۳ [2] ابن سعد جلد ۲ ص ۱۷۔ نیز دیکھئے ابن کثیر البدایہ جلد ۳ ص ۲۷۳۔

ان دیکھے راستوں چلنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ بھوک پیاس اور مشقتیں برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔ ان میں چھوٹے موٹے دشمنوں سے پنجہ لڑانے کی ہمت عود کر آئے۔ ان کی زنگ آلود تلواریں دوبارہ صیقل ہو جائیں۔ ان مہمات کے ذریعے آپ کو کچھ اور حاصل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تاہم یہ مہمات اس لحاظ سے کامیاب رہیں کہ مہاجرین میں آنحضرت ﷺ کے مطلوبہ خصائص پیدا ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ میدان بدر میں ان کا ریکارڈ اپنے ہم قوم کفار قریش سے کہیں بہتر نظر آتا ہے۔ جو برسوں بعد پہلی مرتبہ میدان جنگ میں اترے تھے جن کے متعلق اہل عرب پہلے بھی جانتے تھے اور بدر میں ان کی کارکردگی نے مزید واضح کر دیا کہ جنگ کا میدان ان کے لئے ایک اجنبی جگہ ہے۔ ہماری بات کی دلیل بنو قینقاع کے وہ الفاظ ہیں جو انہوں نے جنگ بدر کے بعد آنحضرت کی جانب سے اسلام لانے کے مطالبے کے جواب میں کہے تھے۔ واقدی اس پورے واقعے کو یوں بیان کرتا ہے۔

یا معشر یہود اسلموا فواللہ انکم لتعلمون انی رسول اللہ قبل ان یوقع اللہ بکم مثل وقعۃ قریش فقالوا یا محمد لا یغرنک من لقیت قوماً اغماراً۔ انا واللہ اصحاب الحرب ولئن قاتلتنا لتعلمن انک لم تقاتل مثلنا[1]

کہ آنحضرت نے یہود کو کہلا بھیجا کہ بخدا تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس لئے قبل اس کے کہ تمہارے ساتھ بھی قریش جیسا معاملہ ہو تم اسلام لے آؤ۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ قریش پر فتح پانے کی وجہ سے آپ کو اپنی قوت و شوکت کے بارے سے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہ تو فن حرب کے لحاظ سے ایک جاہل قوم ہے اور ہم جنگ جو لوگ ہیں۔ اگر آپ کی جنگ ہم سے ہو گئی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کس سے پنجہ لڑایا ہے۔

ابن الاثیر نے ذرا وضاحت کے ساتھ ان کے جواب کو بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

یا محمد لا یغرنک انک لقیت قوماً لا علم لھم بالحرب[2]

کہ قریش پر فتح سے آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ وہ تو ایسے لوگ ہیں جنہیں فن حرب سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔

ابن کثیر نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:۔

ان رسول اللہ جمعھم فی سوقھم۔ ثم قال یا معشر یہود احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمۃ واسلموا فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل تجدون فی کتابکم وعھد اللہ الیکم

---

[1] واقدی جلد ۱ ص ۱۷۶ [2] ابن الاثیر، کامل جلد ۲ ص ۹۶

فقالوا یا محمد انك ترى انا كقومك لا يغرنك انك لقيت قوما لا علم لهم بالحرب فاصبت منهم فرصة اما والله لئن حاربناك لتعلمن انا نحن الناس[1]

کہ جب رسول کریم نے بنو قینقاع کو قریش کے شر سے ڈرا کر ایمان لانے کا تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ قریش پر فتح سے آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ کیونکہ قریش کو کیا معلوم کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے۔ اگر ہم سے آپ کی جنگ ہوئی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم جواں مرد ہیں۔

قریش کی عسکری صلاحیتوں کے متعلق یہ رائے صرف بنو قینقاع کی نہیں تھی بلکہ عام اہل عرب اس معاملے میں قریش کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے۔ وقد عيرت قريش بانها لا تحسن القتال[2] یعنی عام طور پر طعنہ دیا جاتا تھا کہ جنگ کرنا قریش کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ انا اذا كان قرشيا فليس بشئ[3] کہ قریشی ہونا (فوجی لحاظ سے) کوئی قابل ذکر اور قابل فخر بات نہیں ہے۔

قریش کو دیگر عرب قبائل پر عددی برتری کا دعویٰ تھا جیسا کہ ابوجہل نے ایک مرتبہ کہا۔

وانتم اكثر الناس عدداً وكثرة[4]

اے میرے ہم قوم قریشیو تم بلحاظ تعداد تمام قبائل سے برتر ہو۔ اس معاملے میں حقیقت تو بہر حال وہی ہے جو بدر میں عیاں ہو گئی تھی۔ جہاں تمام کے تمام قریشی موجود تھے[5] لیکن ان کی تعداد ۹۵۰ سے زیادہ نہ تھی[6] جنگ سے باہر یا تو ابولہب تھا یا ابوسفیان اور اس کے قافلے کے لوگ جن کی تعداد باختلاف روایات ۳۰ یا ۴۰ یا ۷۰ تھی[7] اور اگر اس میں ۸۳ کے لگ بھگ ان قریشی مہاجرین کو بھی شامل کر لیا جائے جو آں حضرت کے ساتھ تھے تو قریش کے کل قابل جنگ افراد کی تعداد ۱۱۱۰ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بایں تعداد قریشی اپنے آپ کو اگر بنو غطفان[9]

---

[1] ابن کثیر، البدایہ جلد ۴ ص ۳۔ طبری جلد ۲ ص ۴۷۹ [2] جواد علی تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۴ ص ۳۷ [3] ایضاً [4] ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۰۰ [5] ایضاً جلد ۲ ص ۶۲، واقدی جلد ۱ ص ۳۲-۳۳ [6] واقدی جلد ۱ ص ۵۳۔ ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۔ [7] ابن الاثیر جلد ۲ ص ۰۰ [8] طبری جلد ۱ ص ۴۲۷ کے مطابق مہاجرین جو بدر میں آئے ان کی تعداد ۷۷ تھی۔ اور ابن ہشام بتعلیقات محمود سید الطحطاوی، قاہرہ ۱۳۵۶ھ جلد ۲ ص ۲۶ کے مطابق وہ حاضر و غائب مہاجرین جنہیں بدر کے مال غنیمت سے حصہ ملا ان کی تعداد ۸۳ تھی۔ ابن سعد جلد ۲ ص ۱۲ کے مطابق بدر میں مہاجرین کی تعداد ۷۴ اور صفحہ ۲۰ کے مطابق ۸۶ تھی [9] بنو غطفان جنگ خیبر کے موقع پر یہود کی حمایت میں چار ہزار سپاہی لے کر آئے تھے۔ واقدی جلد ۲ ص ۶۵۰-۱ [10] جنگ خیبر میں آنحضرت کے مقابل فوج کی تعداد دس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ واقدی جلد ۲ ص ۶۴۰-۱ اگر اس میں سے بنو غطفان کے چار ہزار سپاہی منہا کر دیے جائیں تو یہود خیبر کی تعداد چھ ہزار بنتی ہے۔

یہود خیبر[1]، انصار[2]، بنو ثقیف اور بنو ہوازن[3]، بنو جہینہ[4]، بنو مزینہ وغیرہ سے برتر سمجھتے تھے تو یہ ان کا خیال خام تھا۔[5]

قارئین محترم! ہماری درج بالا گذارشات ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ یقیناً پوچھیں گے کہ اگر قریش دیگر قبائل عرب سے عسکری لحاظ سے اتنے ہی پیچھے تھے تو متقدمین کے آثار میں انہیں عرب کا ایسا نامور قبیلہ (جس کا دیگر قبائل پر بے پایاں اثر و رسوخ تھا) کیوں قرار دیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں اس کی وجہ قریش کا حلم، ان کی دانائی، ان کی معاشی بالادستی اور کعبۃ اللہ کے پاسبان ہونے کا شرف تھا۔

---

[1] جنگ خیبر میں آنحضرت کے مقابل فوج کی تعداد ۱۰ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ واقدی جلد ۲ ص ۶۴۰-۶۴۱۔ اگر اس میں بنو غطفان کے چار ہزار سپاہی منہا کر دیئے جائیں تو یہود خیبر کی تعداد چھ ہزار بنتی ہے [2] فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت کے دس ہزار لشکریوں میں سے انصار کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ واقدی جلد ۲ ص ۸۰۰ [3] جنگ حنین میں ان کے لشکر کی تعداد مسلم لشکر سے کم و بیش دگنی یعنی ۲۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ واقدی جلد ۳ ص ۸۹۳ [4] فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت کے لشکر میں بنو جہینہ کی تعداد ۸۰۰ بیان کی جاتی ہے ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۶۳-۱۶۴ [5] مذکورہ بالا لشکر میں بنو مزینہ کی تعداد ۱۰۰۰ بیان کی جاتی ہے طبری ج ۳ ص ۱۱۴ ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۰۳ [6] احد میں قریش کے تین ہزار لشکریوں کی موجودگی سے ہمارے موقف کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ان دونوں جنگوں میں قریش کے ساتھ ان کے احابیش، بنو ثقیف، بنو غطفان اور یہود بھی موجود تھے جو وقتی ضرورتوں کے تحت یکجا ہو گئے تھے تاہم قریش کی اصل تعداد وہی تھی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ طبری جلد ۳ ص ۱۰، واقدی جلد ۱ ص ۲۰۳